مشہور فقہی قاعدہ: اَلْأَیْمَانُ مَبْنِیَّۃٌ عَلَی الْأَلْفاظِ لَاعَلَی الْأَغْرَاض کی وضاحت

جمع وترتیب: مولوی محمد اسداللہ آسامی،
متعلّم: تدریبِ افتاء دارالعلوم دیوبند

فقہ حنفی کا مشہور قاعدہ ہے: "الأیمَانُ مَبْنِیَّۃٌ عَلَی الْأَلْفاظِ لَا عَلَی الأغْرَاضِ" اس سے قسم، منّت اور تعلیقات (شرط وغیرہ پر متعلق باتوں) کے بے شمار مسائل مستنبط ہوتے ہیں؛ لیکن اس قاعدے میں مذکور دونوں قید (الألفاظ اور الأغراض) کے ظاہر سے، یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ اَیمان کی بنیاد صرف الفاظ پر ہے، نیت کا اس میں کوئی دخل نہیں؛ حالاں کہ ایسا نہیں۔

چوں کہ لفظ کے لغوی، اصطلاحی اور عرفی معنی ہوتے ہیں؛ اس لیے ائمہ اربعہ کے درمیان اس باب میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں ''یمین'' (قسم، تعلیق) استعمال کرتا ہے تو اس سے کونسا معنی مراد ہوگا؛ چناں چہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ کا لغوی معنی مراد ہوگا، امام مالکؒ کا کہنا ہے کہ قرآنِ کریم نے جو معنی مراد لیا وہ معنی مراد ہوگا، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ''ایمان'' کا مدار نیت پر ہے۔ (فتح القدیر ۵/ ۱۶۰ باب الیمین فی الدخول والسکنی) حنفیہ کے مسلک میں تفصیل ہے: نہ محض الفاظ پر مدار ہے اور نہ ہی محض نیت پر؛ بل کہ ان کے نزدیک ''ایمان'' کی بنیاد (اگر کوئی نیت نہیں ہے) حَالِف کے عرف پر ہے، اگر کوئی نیت ہو تو اس کی نیت کا اعتبار ہے بہ شرطے کہ لفظ کے اندر اس کی گنجائش ہو، شارِح اَشباہ علامہ حمویؒ فرماتے ہیں: وَفِي الْفَتْح: الأَیْمَانُ مَبْنِیَّۃٌ عَلَی الْعُرْفِ إذَا لَمْ تَکُنْ نِیَّۃٌ فإنْ کَانَتْ نِیَّۃٌ وَاللَّفْظُ یَحْتَمِلُہٗ، اِنْعَقَدَتِ الْیَمِیْنُ بِاعْتِبَارِھَا (۷۳ ط: نول کشور) اس سے معلوم ہوا کہ ''ایمان'' کے باب کا مشہور قاعدہ "الأَیْمَانُ مَبْنِیَّۃٌ عَلَی الأَلْفَاظِ لَا عَلَی الأغْرَاضِ" اپنے عموم پر نہیں ہے۔ اس قاعدے کی تفصیلی وضاحت درج ذیل ہے:

اس میں "الألفاظ" سے مراد الفاظِ عرفیہ ہیں؛ چناں چہ علامہ شامیؒ نے اس قاعدے کی شرح کرتے ہوئے لکھا قولہ "الأَيْمَانُ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الأَلْفَاظِ أَيِ الْاَلْفَاظِ الْعُرْفِيَّةِ" اس قید (علی الالفاظ) کا مقصد امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے مسلک سے احتراز ہے؛ اس لیے کہ یہ حضرات لغوی معنی مراد لیتے ہیں یا جو معنی قرآن نے مراد لیا، وہ معنی مراد لیتے ہیں اور دوسری قید یعنی "لَا عَلى الأَغراضِ" سے امام احمد بن حنبل کے مسلک سے احتراز ہے؛ اس لیے کہ وہ محض نیت کو مدار مانتے ہیں، ان قیدوں کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ایمان کا مدار صرف الفاظ پر ہے، نیت اور مقصد کا اس میں کوئی دخل نہیں؛ علامہ ابن نجیم نے تو البحر الرائق میں اس قاعدے پر بحث کرتے ہوئے یہ تصریح کی ہے کہ قیاس کا تقاضا اگرچہ مبنی بر الفاظ ہونا ہی ہے؛ لیکن استحسان یہ ہے کہ "ایمان" کا مدار اغراض اور نیتوں پر ہے فَالْحَاصِلُ أَنَّ بِنَاءَ الْحُكْمِ عَلَى الأَلْفَاظِ هُوَ الْقِيَاسُ وَالْاِسْتِحْسَانُ بِنَاؤُهُ عَلَى الأَغْرَاضِ (البحر الرائق ٥٠٣/٤ باب اليمين في الدخول والخروج، ط: زكريا)

الغرض مذکورہ قاعدہ سے متعلق فقہی عبارات نیز ایمان، نذور اور تعلیق کے مباحث پر نظر ڈالنے سے درج ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

(۱) اگر حالف کی نیت نہیں ہے تو الفاظِ یمین سے اس کا عرفی معنی مراد ہوگا اور عرفی معنی کی تعیین قرائن سے کی جائے گی، قرائن درج ذیل امور ہو سکتے ہیں:

(الف) متکلم کی حالت مثلاً اصولِ بزدوی میں ہے وَمِثَالُهُ مَنْ دُعِيَ إِلَى غَدَاءٍ فَحَلَفَ لَا يَتَغَدّٰى، إِنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِهِ لِمَا فِي غَرَضِ الْمُتَكَلِّمِ مِنْ بِنَاءِ الْجَوَابِ عَلَيْهِ (أصول البزدوي، ١٠٣/٢ ط: بيروت) یعنی اگر کسی شخص کو دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے بلایا جائے اور وہ قسم کھالے کہ واللہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا، تو اس سے مراد دوپہر کا کھانا ہی ہے؛ لہٰذا اگر اس کے علاوہ دوسرا کھانا کھاتا ہے تو اس سے حانث نہ ہوگا، یہاں دلالت من قِبَل المتكلم کی وجہ سے لفظ کے عام معنی کے بجائے متکلم کی غرض کا اعتبار کیا گیا۔

(ب) متکلم جس ماحول میں کلام کر رہا ہے وہ ماحول اور عرف بھی تعیین معنی کے لیے قرینہ بنے گا، جیسے لفظ "آزاد کر دیا" یہ بعض علاقوں میں کثرت سے طلاق کے لیے استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے جب ان علاقوں میں کوئی شخص یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا تو اس سے طلاق ہی مراد ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ "اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق، پھر چند دنوں کے بعد شوہر نے تذکرہ

کرنے کی اجازت دے دی اور عورت نے تذکرہ کر بھی دیا تو عورت پر طلاق نہیں پڑے گی؛ اس لیے کہ عرفاً اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جب تک اخفا کی ضرورت ہے اس وقت تک اگر کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے، اس کے بعد اگر وہ عورت کسی سے تذکرہ کردے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی (امداد الاحکام ۲/۴۷۷، ط: زکریا) اس کی تائید فتاویٰ عالمگیری کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے: رَجُلٌ خَرَجَ مَعَ الْوَالِي وَحَلَفَ بِالطَّلَاقِ أنْ لَا يَرْجِعَ إلَّا بِإذْنِہٖ وَسَقَطَ مِنْهُ شَيْءٌ وَرَجَعَ لِذٰلِكَ لَا تُطَلَّقُ (الفتاویٰ الهندیّة، ۱/۴۴۰، الفصل الثالث في تعليق الطلاق) یعنی ایک شخص نے جہاد کے لیے نکلتے وقت یہ کہا کہ اگر وہ بلا اجازتِ امیر لوٹے تو اس کی بیوی پر طلاق، پھر اس کی کوئی چیز گر گئی جسے لینے کے لیے لوٹا تو اس کی بیوی پر طلاق نہ پڑے گی۔

(۲) دوسری بات یہ مستفاد ہوتی ہے کہ اگر متکلم اپنے کلام میں کوئی خاص لفظ استعمال کرتا ہے تو ضروری نہیں ہے ''عین'' کا مدار بھی اسی خاص لفظ پر ہو؛ بل کہ قرائن سے عام معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے مثلاً شامی میں ہے وَلَوْ قَالَ لَأَضْرِبَنَّكَ بِالسِّيَاطِ حَتّٰى أَقْتُلَكَ فَهٰذَا عَلَى الضَّرْبِ الْوَجِيعِ (شامی ۳/۷۶۱ بیروت) یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تجھے کوڑے سے پٹائی کروں گا تا آں کہ تجھے مار ڈالوں، تو اس سے مراد تکلیف دہ مار پیٹ ہے، خصوصیت کے ساتھ قتل (جان سے مار ڈالنا) مراد نہیں ہے، یہاں خاص لفظ استعمال کیے جانے کے باوجود علامہ شامیؒ کی تصریح کے مطابق خاص معنی مراد نہیں؛ بل کہ معنی عام مراد ہے۔

(۳) اگر حالف الفاظِ یمین سے کسی ایسے معنی کا ارادہ کرے جو ظاہر لفظ کے خلاف ہے؛ لیکن لفظ کے اندر اس کی گنجائش ہے تو وہی مَنْوِی معنی مراد ہوگا۔

نوٹ: عالم گیری کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظِ یمین کی مراد کی تعیین کے بارے میں طرفین اور امام ابویوسف کے درمیان اختلاف ہے، امام ابویوسف غرض (مقصد) کا اعتبار کرتے ہیں؛ جب کہ طرفین عمومِ لفظ کا؛ چناں چہ عالم گیری میں ہے وَلَوْ قَالَ لَهَا ''اگر تو باکسے حرام کنی'' فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا، فَأَبَانَها فجامَعَها فِي الْعِدَّةِ طُلِّقَتْ عِنْدَهُمَا؛ لِأَنَّهُمَا يَعْتَبِرَانِ عُمُومَ اللَّفْظِ وَأَبُوْيُوْسُفَ - رَحِمَهُ اللّٰهُ - يَعْتَبِرُ الْغَرَضَ فَعَلٰى قِيَاسِ قَوْلِہٖ لَا تُطَلَّقُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى. (۱/۴۲۵، ط: بیروت، الفصل الثالث في تعليق الطلاق) یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے متعدد فتاویٰ میں امام ابویوسف کے قول کو ہی اپنایا، ملاحظہ ہو امداد الاحکام ۲/۴۷۷، ط: زکریا۔